ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.2 (2026)
(April to June)

"گنجی بار" میں دیہی زندگی کی پیش کش

The Depiction of Rural Life in Ganji Bar

ڈاکٹر طیبہ نگہت
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد
حنا یونس
ایم۔فل اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr. Tayyba Nighat (Corresponding Author)
Assistant Professor, Department of Urdu, Government College Women University, Faisalabad

Article Details
Received:
May 27, 2026
Accepted:
June 5, 2026
Online Published:
June 30, 2026

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: This research examines the depiction of Punjabi culture within Shahid Rizwan's novel Ganji Bar, focusing specifically on the customs, traditions, and social values found in rural Punjab. The novel offers a realistic portrayal of Punjabi rural existence, highlighting the cultural practices that define the identity of the Bar region's inhabitants. Through its various characters, dialogues, and plot events, the novel mirrors vital elements of Punjabi culture, including folk traditions, language, marriage rituals, religious convictions, family structures, and communal bonds. It also illustrates the profound emotional connection rural populations maintain with their land, heritage, and shared way of life. This study analyzes the manner in which Shahid Rizwan protects and showcases Punjabi cultural heritage via his realistic and artistic narrative approach. The results indicate that Ganji Bar acts as a significant literary resource for comprehending the diversity, richness, and continuity of Punjabi culture, while simultaneously aiding in the preservation of traditional values and regional identity.

Key words: Ganji Bar, Punjabi Culture, Rural Punjab, Folk Traditions, Cultural Heritage, Social Values, Punjabi Language, Rural Society, Regional Identity, Shahid Rizwan

اُردو ناول نگاری کے افق پر ایسے متعدد نام موجود ہیں جنھوں نے کئی ناول تخلیق کیے مگر انہیں پہچان صرف ایک ہی ناول سے ملی، جب کہ اس کے برعکس کچھ ایسے ناول نگار بھی گزرے جنہوں نے اپنی محض ایک تخلیق کے ذریعے شہرت کے بلندیوں کو چھو لیا۔ شاہد رضوان بھی انہی میں سے ایک شخصیت ہیں جن کا ناول "گنجی بار" سال ۲۰۱۹ میں شائع ہوا۔ شاہد رضوان اردو ادب کے ممتاز اور صاحب اسلوب ناول نگار ہیں، جنہوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے پنجاب کی تاریخ، تہذیب، ثقافت اور سماجی زندگی کو نہایت مؤثر اور حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی تخلیقات میں دیہی معاشرے کی نفسیات، انسانی رشتوں کی پیچیدگیاں، تاریخی شعور، طبقاتی کشمکش اور تہذیبی اقدار کا گہرا مطالعہ نمایاں نظر آتا ہے۔ شاہد رضوان نے اپنے منفرد بیانیہ، مضبوط کردار نگاری اور مقامی ثقافت کی بھرپور عکاسی کے باعث اردو ناول کو ایک نئی جہت عطا کی ہے۔

ان کے معروف ناولوں میں "گنجی بار"، "ساندل بار "اور "چاند پور "خصوصی اہمیت کے حامل ہیں، جن میں پنجاب کے مختلف خطوں کی جغرافیائی، تاریخی اور ثقافتی شناخت کو نہایت فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ شاہد رضوان کے تخلیقی سفر کا باقاعدہ آغاز ان کے پہلے ناول "گنجی بار "سے ہوتا ہے، جس نے انہیں اردو فکشن میں ایک منفرد شناخت عطا کی۔ یہ ناول نہ صرف ان کی فنی صلاحیتوں کا مظہر ہے بلکہ پنجاب کی دیہی تہذیب، تاریخی ورثے اور سماجی زندگی کا ایک مستند ادبی دستاویز بھی ہے۔ ناول میں مقامی ماحول، عوامی رسم ورواج، روایتی اقدار، معاشرتی تبدیلیوں اور انسانی جذبات کو اس قدر فطری انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ قاری خود کو اس فضا کا حصہ محسوس کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "گنجی بار "کو پنجاب کے ثقافتی اور تاریخی تناظر میں لکھے جانے والے اہم اردو ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

جغرافیائی اعتبار سے "گنجی بار "پنجاب کے اس خطے کا نام ہے جو موجودہ ضلع ساہیوال اور اس کے گرد ونواح کے علاقوں پر مشتمل ہے۔ لفظ "بار "پنجاب کی جغرافیائی اصطلاح ہے، جس سے مراد دو دریاؤں کے درمیان واقع وہ بلند اور نسبتاً خشک علاقہ ہے جہاں دریاؤں کا سیلابی پانی براہِ راست نہیں پہنچ پاتا۔ ماضی میں ایسے علاقے گھنے جنگلات، جھاڑیوں اور قدرتی چراگاہوں پر مشتمل ہوتے تھے، جنہیں بعد ازاں آباد کر کے زرعی زمینوں میں تبدیل کیا گیا۔ اسی نسبت سے پنجاب کے مختلف علاقوں کو ساندل بار، نیلی بار، گنجی بار اور کرانہ بار جیسے نام دیے گئے۔ اصطلاحی اعتبار سے "گنجی بار "سے مراد ایسا بلند میدان ہے جو دو دریاؤں کے درمیان واقع ہو اور قدرتی طور پر سیلابی پانی سے محفوظ رہے۔ تاریخی طور پر یہ علاقہ اپنی مخصوص جغرافیائی ساخت، زرعی اہمیت، مویشی پالنے کی روایت، دیہی تہذیب اور مقامی ثقافت کی وجہ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ شاہد رضوان نے اپنے ناول میں اسی خطے کو محض ایک جغرافیائی مقام کے طور پر نہیں بلکہ ایک زندہ تہذیبی اکائی کے طور پر پیش کیا ہے، جہاں انسان، زمین، تاریخ اور ثقافت ایک دوسرے سے گہرے طور پر جڑے ہوئے ہیں۔

ناول "گنجی بار "میں مصنف نے اس خطے کی دیہی زندگی، زرعی معیشت، جاگیر دارانہ نظام، عوامی رسم و رواج، خاندانی تعلقات، طبقاتی تفاوت، مذہبی و ثقافتی روایات اور انسانی جدوجہد کو نہایت حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اس طرح یہ ناول صرف ایک ادبی تخلیق نہیں بلکہ پنجاب کی سماجی، تاریخی اور ثقافتی زندگی کا ایک معتبر اور جامع عکاس بھی بن جاتا ہے، جو قاری کو اس خطے کی تہذیبی شناخت، تاریخی ارتقا اور عوامی زندگی سے روشناس کراتا ہے

یہی وجہ ہے کہ اس مرتفع زمین کو 'بار' کہا جاتا ہے۔ ایم اے اشرف "بار" کی تشریح کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> "سطح مرتفع کو بار کہا جاتا ہے یعنی دو دریاؤں کے مابین وبلند قطع اراضی جہاں دریا کے پانی کی رسائی ممکن تھی بار کے نام سے معروف ہوئی۔"(۱)

صوبہ پنجاب کو اپنی زرخیزی اور ہریالی کی وجہ سے قدیم دور سے ہی دیگر علاقوں کے مقابلے میں بیرونی حملہ آوروں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب مختلف قبائل پنجاب پر حملہ کرتے تو یہاں کے لوگ بہادری سے ان کا مقابلہ کرتے اور گنجی بار کے جنگلوں میں پناہ لے لیتے، جن میں اکثر جنگلی لوگ شامل تھے۔ جنگلی سے مراد وہ قوم تھی جو اسی علاقے کی قدیم رہائشی تھی۔ یہ جنگلی لوگ نہایت صاف دل اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ وہ جنگلوں میں گھومتے پھرتے اور جہاں کہیں پانی میسر آتا، وہیں اپنی جھگیاں بنا لیتے تھے۔

یہاں کے لوگ بہت سادہ اور محنت کشی سے زندگی گزار رہے ہیں ثقافت کی بات کریں تو یہاں مختلف قسم کی رسومات بھی ادا کی جاتی ہیں جن میں شادی بیاہ کی رسمیں، غم کی رسمیں، پیروں فقیروں کے عقیدے، کہیں ذات پات کا ذکر ہے تو کہیں چوری کرنے

والے کو احمق نہیں سمجھا جاتا اسی طرح "گنجی بار" میں مختلف قسم کے ثقافتی پہلو دیکھنے کو ملتے ہیں شاہد رضوان نے اپنے پہلے ناول 'گنجی بار' کے ذریعے اپنی مٹی کی ثقافت، تمدن اور ماضی کے حالات پر قلم اٹھا کر اپنے تاریخی شعور اور گہری بصیرت کا ایک ٹھوس ثبوت پیش کیا ہے۔ماضی میں بھی بار کی ثقافت کا ایک نہایت روشن اور نمایاں پہلو وہاں کے زندہ دل، خوش مزاج اور ہنس مکھ لوگ تھے جو میلوں اور تہواروں کے بہت زیادہ شوقین تھے۔ ان میلوں میں شرکت کے معاملے میں لوگ کمال کا جوش و خروش رکھتے تھے۔ اس تقریب میں بار کے تمام طبقات کے لوگوں نے بھرپور طریقے سے حصہ لیا، جہاں ہر عمر کے مرد، خواتین اور معصوم بچے، جن میں مختلف ذات پات اور سماجی گروہوں کے افراد شامل تھے، ٹولیاں بنا کر سینکڑوں کی تعداد میں میلے میں شریک ہوتے اور زندگی کی رعنائیاں اور لطف اٹھاتے۔

> "میاں محمود لنگاہ راوی کے وسیب میں ایک نہایت پرہیز گار اور کرنی والے بزرگ رہا کرتے تھے، جن کی سالانہ برسی یا عرس کے موقع پر ایک عظیم الشان میلہ منعقد کیا گیا تھا۔ اس موقع پر بچے، بوڑھے، مرد، خواتین، لڑکے اور لڑکیاں جوق در جوق اور گروہ در گروہ وہاں پہنچ رہے تھے۔"(۲)

شاہد رضوان اپنے ناول **"گنجی بار"** میں علاقے کی تہذیبی اور ثقافتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت باریک بینی اور حقیقت نگاری کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان میں مقامی میلوں ٹھیلوں کا منظر نامہ خصوصی اہمیت رکھتا ہے، جہاں عوامی زندگی اپنی پوری رنگینی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ مصنف میلوں میں تیار ہونے والے طرح طرح کے روایتی پکوانوں، دیسی کھانوں، مٹھائیوں اور دیگر لذیذ اشیائے خور و نوش کا نہایت دلکش اور تفصیلی تذکرہ کرتے ہیں، جو اس خطے کی قدیم تہذیب، ثقافتی ورثے اور اجتماعی طرزِ زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

ناول میں مذکور کھانوں کی تفصیل محض ذائقوں کی عکاسی نہیں بلکہ اس خطے کے معاشرتی، معاشی اور ثقافتی شعور کی علامت بھی ہے۔ میلوں میں دیسی گھی سے تیار ہونے والے پکوان، تازہ دودھ، لسی، مکھن، ساگ، مکئی کی روٹی، حلوہ، جلیبی، کھیر اور دیگر مقامی غذائیں دیہی معاشرے کی فراوانی، مہمان نوازی اور سادگی کی ترجمان ہیں۔ ان پکوانوں کے ذریعے مصنف نہ صرف گنجی بار کے عوام کی غذائی ثقافت کو محفوظ کرتے ہیں بلکہ قاری کو اس دور کی زندہ تہذیبی فضا سے بھی روشناس کراتے ہیں۔ شاہد رضوان نے میلوں کو صرف تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ دیہی معاشرت کے ایک ہمہ گیر ثقافتی مظہر کے طور پر پیش کیا ہے، جہاں مختلف علاقوں سے آنے والے لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں، روایات کا تبادلہ کرتے ہیں اور مقامی ثقافت کو نئی زندگی ملتی ہے۔ ان میلوں میں پیش کیے جانے والے روایتی کھانے، دستکاری، لوک موسیقی اور عوامی سرگرمیاں اس علاقے کی تہذیبی شناخت کو مستحکم کرتی ہیں۔ اس طرح **"گنجی بار"** میں میلوں اور ان سے وابستہ روایتی پکوانوں کا بیان صرف منظر نگاری نہیں بلکہ پنجاب کی قدیم دیہی تہذیب، ثقافتی وراثت اور عوامی زندگی کا ایک مستند ادبی دستاویز بن کر سامنے آتا ہے۔

> مٹھائی کے ڈھیروں اسٹالز اور دکانیں موجود تھیں۔ بڑی بڑی پراتوں اور برتنوں میں خرمے، بالو شاہیاں، موتی چور کے لڈو، میسو، برفی، سوہن، طور پیسہ اور ارس جیسی مٹھائیاں سجی ہوئی تھیں۔ گام جامن تیار کیے گئے تھے اور ان کے اوپر باریک جالی دار کپڑا بچھا ہوا تھا، جس کے اوپر مکھیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ اونچے چولہے پر رکھی

ہوئی کڑاہی میں گھی کی کڑ کڑاہٹ سنائی دے رہی تھی اور بڑے پتلے میں میدہ بکھرا ہوا
پڑا تھا۔"(۳)

ناول "گنجی بار" میں وہاں کے روایتی کھیلوں اور تماشوں کا ذکر ہے، جیسے: مرغوں، کبوتروں، کتوں، ریچھوں، خرگوشوں، بیلوں کی لڑائی اور پڑکوڈی کے کھیل وغیرہ مشہور ہیں۔

ایک جانب کبوتر بازوں کے گرد جوش وخروش اور مقابلہ بازی کا سماں تھا جس نے سب کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا تھا۔ چار عدد سفید رنگ کے کبوتر فضاؤں میں بلند پرواز کرتے ہوئے، ہوا میں دائرے بناتے اور ادھر ادھر مڑتے ہوئے لمبا سفر طے کر کے واپس آئے اور لوگوں کے سروں کے عین اوپر سے گزر گئے۔ اس منظر کو دیکھ کر کبوتر باز اپنے میچوں پر بے چینی اور اضطراب کے ساتھ ادھر ادھر دوڑ دھوپ مچا رہے تھے۔ "گنجی بار" میں بہت سی ذاتیں ہیں لیکن کمھار ذات کو سب سے کم تر سمجھا جاتا ہے کہ یہ برتن بناتے ہیں اور یہ لوگ قبر کھودتے ہیں اس لیے ان کو منحوس سمجھا جاتا ہے ان کا عقیدہ ہے۔

"کسی راہ چلتے آدمی کے سامنے کمھار آجائے تو وہ راستہ بدل لیتا ہے یہ خیال عام ہے کہ وہ
جس کام کی غرض سے جارہا تھا وہ نہیں ہو گا۔"(۵)

گنجی بار کے رہائشیوں کا عقیدہ ہے کہ سلطان باہو کے مزار کے پیچھے موجود بیری کے درخت کے پھل بنجر زمین کو بھی زرخیز کر دیتے ہیں۔ اس مقام پر خواتین اور فقیر جھولیاں پھیلائے بیٹھے رہتے ہیں اور بیری گرنے پر انہیں عقیدت سے کھا لیتے ہیں۔

"بیری کی شاخوں کو ہلونا دینے کی ممانعت ہے وہی بیر اثر کرتے ہیں جو خود بخود کرتے ہیں
۔ اگر جھولی میں پتا گرے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے، پرندوں کا ٹھونگا ہوا بیر گرے تو ستوانہا بچہ
پیدا ہوتا ہے۔"(۶)

تفریح انسانی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے، جو نہ صرف جسمانی تازگی کا باعث بنتی ہے بلکہ ذہنی اور نفسیاتی سکون بھی فراہم کرتی ہے۔ ہر معاشرے میں تفریح کے ذرائع اس کی تہذیبی شناخت، سماجی اقدار اور ثقافتی روایات کی عکاسی کرتے ہیں۔ کھیل بھی تہذیب و ثقافت کا ایک اہم اور قیمتی سرمایہ ہیں، کیونکہ یہ نہ صرف جسمانی نشوونما میں معاون ہوتے ہیں بلکہ اجتماعی شعور، باہمی تعاون، مقابلے کی فضا اور سماجی ہم آہنگی کو بھی فروغ دیتے ہیں۔ دیہی معاشرے کے کھیل شہری علاقوں کے کھیلوں سے نمایاں طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ گاؤں کے بچوں اور نوجوانوں کے کھیل مقامی ماحول، قدرتی وسائل اور روایتی طرزِ زندگی سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ کبڈی، کشتی، نیزہ بازی، گھڑ دوڑ، بیل دوڑ، گلی ڈنڈا اور دیگر مقامی کھیل صدیوں سے پنجاب کی دیہی ثقافت کا حصہ چلے آرہے ہیں۔ یہ کھیل محض تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ دیہی معاشرے کی اجتماعی زندگی، جسمانی قوت، جرات، باہمی اخوت اور ثقافتی شناخت کے آئینہ دار بھی ہیں۔ آج بھی پنجاب کے متعدد دیہی علاقوں میں یہ روایتی کھیل اپنی اصل صورت میں کھیلے جاتے ہیں اور مقامی ثقافت کو زندہ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

شاہد رضوان نے اپنے ناول "**گنجی بار**" میں میلے کے دوران منعقد ہونے والے روایتی کھیلوں اور تفریحی سرگرمیوں کو نہایت حقیقت پسندانہ اور فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ناول میں میلے کا منظر صرف کاروباری یا سماجی اجتماع تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہاں ہونے والے کھیل، مقابلے، کرتب، پہلوانوں کی کشتی، کبڈی کے دنگل، گھڑ دوڑ اور دیگر عوامی سرگرمیاں دیہی زندگی کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ ان کھیلوں کے ذریعے مصنف گنجی بار کے لوگوں کے ذوقِ تفریح، جسمانی صلاحیت، اجتماعی جذبے اور ثقافتی شعور کو نمایاں

کرتے ہیں۔ یوں یہ کھیل ناول میں صرف تفریحی عنصر نہیں بلکہ اس خطے کی تہذیبی روایت، ثقافتی شناخت اور اجتماعی زندگی کے اہم مظاہر بن کر سامنے آتے ہیں، جو پنجاب کی دیہی تہذیب کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔

"باہر کھلے میدان میں لوگ گول دائرے میں کھڑے تھے، پڑ کے اندر مرنے لڑتے اور تماشائیوں کا زور لگ رہا تھا۔۔۔ جیسے ہی منصف نے کالو کے مرنے کی بیت کا اعلان کیا، ڈم ڈم ڈم بھرائی کا ڈھول بج اٹھا اور اس پر ستوں کی بارش ہونے لگی۔" (۷)

پنجابی ثقافت میں شادی بیاہ کی رسومات کو نہایت اہم اور مقدس حیثیت حاصل ہے۔ یہ تقریبات صرف دو افراد کے ازدواجی بندھن تک محدود نہیں ہوتیں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان سماجی، تہذیبی اور ثقافتی تعلقات کو مضبوط بنانے کا ذریعہ بھی بنتی ہیں۔ رشتہ طے ہونے سے لے کر منگنی، مایوں، مہندی، بارات، رخصتی اور ولیمے تک ہر مرحلہ اپنی مخصوص روایات، رسوم اور اجتماعی سرگرمیوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ان تمام تقریبات میں خاندان کے افراد، عزیز و اقارب اور اہلِ محلہ بھرپور جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، جس سے باہمی محبت، خاندانی یگانگت اور سماجی ہم آہنگی کو فروغ ملتا ہے۔ مہندی کی تقریب پنجابی ثقافت کا نہایت رنگارنگ اور دلکش پہلو ہے، جہاں خواتین روایتی لباس زیب تن کرتی ہیں، ڈھولکی کی تھاپ پر لوک گیت گاتی ہیں، خوشی کے نغمے سناتی ہیں اور دلہن کو مہندی لگانے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اسی طرح بارات کی آمد، دولہے کا روایتی انداز میں استقبال، رخصتی کے جذباتی مناظر اور ولیمے کی تقریب پنجابی معاشرت کی قدیم روایات اور اجتماعی اقدار کی بھرپور نمائندگی کرتی ہیں۔ ان رسومات میں مہمان نوازی، خاندانی وقار، باہمی احترام اور سماجی روابط کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔

شاہد رضوان نے اپنے ناول "**گنجی بار**" میں پنجابی شادی بیاہ کی ان روایات کو نہایت حقیقت پسندانہ اور تہذیبی شعور کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ناول میں شادی کی مختلف رسومات، لوک گیت، رسم و رواج، اجتماعی خوشیاں اور دیہی ماحول کی سادگی اس انداز سے بیان ہوئی ہیں کہ قاری پنجاب کی قدیم دیہی ثقافت کا زندہ منظر اپنی آنکھوں کے سامنے محسوس کرتا ہے۔ مصنف نے یہ واضح کیا ہے کہ شادی بیاہ کی یہ تقریبات محض سماجی رسمیں نہیں بلکہ ثقافتی شناخت، خاندانی استحکام اور اجتماعی اقدار کے تحفظ کا مؤثر ذریعہ بھی ہیں۔ اس طرح "**گنجی بار**" پنجابی معاشرے کی ازدواجی روایات اور ثقافتی ورثے کی ایک مستند ادبی تصویر پیش کرتا ہے۔

"لڑکیوں نے دولہے پر سرخ چادر ڈال کر خوشی کے گیت گائے۔ اس کا چہرہ لڑکیوں کے پیچھے تھا، پیروں میں ملتانی مٹی، گلے میں سفید یار اور سر پر لاچا بندھا تھا۔ ہاتھوں میں مہندی، سرخ و کالے دھاگے اور بندھن تھے۔ دائیں ہاتھ میں بید کی چڑی اور بائیں میں تیز دھار تھی۔ ایک چھوٹے بچے نے اس کی انگلی تھام رکھی تھی۔ بارات آگے بڑھتی گئی اور نوجوان ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑا اور لڈی ڈالتے رہے۔" (۸)

پنجاب کے دیہی معاشرے میں موت اور اس سے وابستہ رسومات کو نہایت سنجیدگی، احترام اور اجتماعی احساس کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ کسی فرد کے انتقال کی خبر پورے گاؤں میں مختصر وقت میں پھیل جاتی ہے اور اہلِ علاقہ غم میں برابر کے شریک بن جاتے ہیں۔ ماضی میں جب ذرائع ابلاغ اور مواصلات محدود تھے تو دور دراز کے عزیز و اقارب کو اطلاع دینے کے لیے فقیر، نائی یا کسی معتبر شخص کو پیغام رساں کے طور پر بھیجا جاتا تھا۔ خبر ملتے ہی رشتہ دار، دوست احباب اور اہلِ محلہ مرحوم کے گھر جمع ہو جاتے، تدفین کے

انتظامات میں حصہ لیتے اور سوگوار خاندان سے اظہارِ ہمدردی کرتے۔ یہ روایت دیہی معاشرے میں باہمی تعاون، اخوت اور اجتماعی ذمہ داری کے احساس کی عمدہ مثال ہے۔

انسانی زندگی خوشیوں اور غموں کا مجموعہ ہے۔ جس طرح شادی، پیدائش اور دیگر خوشی کے مواقع انسانی زندگی کا حصہ ہیں، اسی طرح موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کوئی شخص مفر حاصل نہیں کر سکتا۔ اگرچہ اسلامی تعلیمات صبر، رضا اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنے کی تلقین کرتی ہیں، لیکن اپنے کسی عزیز کی جدائی کا صدمہ فطری طور پر نہایت گہرا اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اگرچہ اس غم کی شدت کم ہو جاتی ہے، تاہم محبوب شخصیت کی یاد ہمیشہ دل میں زندہ رہتی ہے۔

شاہد رضوان نے اپنے ناول "**گنجی بار**" میں دیہی معاشرے کی انہی روایات کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ناول میں **احمد خان** کی وفات کا منظر نہایت مؤثر، جذباتی اور فطری انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے نہ صرف اہلِ خانہ کے رنج و الم اور جذباتی کیفیت کو اجاگر کیا ہے بلکہ گاؤں کے لوگوں کی باہمی ہمدردی، اجتماعی شرکت، تعزیت، تدفین کی تیاری اور سوگواری کی روایات کو بھی بڑی فنی مہارت سے قلم بند کیا ہے۔ اس طرح یہ منظر صرف ایک فرد کی وفات کا بیان نہیں بلکہ پنجاب کے دیہی معاشرے کی مذہبی اقدار، سماجی ہم آہنگی، انسانی ہمدردی اور ثقافتی روایات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

> "ایک طرف جھاڑیوں میں کوے لاش کے اوپر کائیں کائیں کا شور مچا رہے تھے اور چوں چوں کرتی چڑیاں لاش کے اوپر پھدک رہی تھیں۔ لگتا تھا وہ شہید وطن کی لاش کو کھیوں سے محفوظ کرنے کے متن کر رہی تھیں حالانکہ اس کے دھڑ پر ایک بھی کبھی تھی۔ دھر کے قریب ایک شیر لاش کے قریب بیٹھا تھا۔ مجاہدین کوؤں اور چڑیوں کا شور سن کر اس طرف بھاگے لیکن شیر کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے اور سمجھے کہ شیر نے دھڑ کھا لیا ہو گا۔ شیر نے جیسے ہی مجاہدین کو دیکھا دم دبا کر ایک طرف ہٹ گیا، اس کی آنکھوں میں اداسی اور نمی تھی جیسے رو تا رہا ہو۔"(۹)

شاہد رضوان اپنے ناول "**گنجی بار**" میں اس خطے کی سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ بعض ایسی روایات اور رویوں کو بھی پیش کرتے ہیں جو اس دور کے مخصوص معاشرتی حالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ انہی میں چوری کا رجحان بھی شامل ہے، جسے بعض قبائل اور گروہوں میں محض ایک جرم نہیں بلکہ جرات، چابک دستی اور بہادری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ یہ تصور اس خطے کے مخصوص سماجی اور قبائلی ماحول کا نتیجہ تھا، جسے مصنف نے حقیقت پسندانہ انداز میں ناول کا حصہ بنایا ہے۔ ناول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے چور بھی کچھ غیر تحریری اصول و ضوابط کے پابند ہوتے تھے۔ وہ اپنے ہی گاؤں یا علاقے میں چوری کرنا معیوب سمجھتے تھے تاکہ اپنے خاندان، برادری اور اہلِ علاقہ کا اعتماد مجروح نہ ہو۔ اسی لیے وہ عموماً کسی دوسرے دور دراز علاقے کا انتخاب کرتے تھے۔ اس طرزِ عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ چوری ایک قابلِ مذمت فعل تھا، تاہم بعض دیہی اور قبائلی معاشروں میں اس کے ساتھ مخصوص اخلاقی ضابطے اور سماجی حدود بھی وابستہ تھیں۔

شاہد رضوان نے اس روایت کا ذکر اس کی تائید یا تحسین کے لیے نہیں بلکہ گنجی بار کے تاریخی اور سماجی ماحول کی حقیقی تصویر پیش کرنے کے لیے کیا ہے۔ ناول میں اس قسم کے واقعات اس خطے کی معاشرتی ساخت، قبائلی اقدار، قانون و انصاف کی محدود صورتِ

حال اور عوامی طرزِ زندگی کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس طرح **"گنجی بار"** اپنے عہد کے سماجی رویوں اور ثقافتی حقائق کو حقیقت نگاری کے ساتھ محفوظ کرنے والی ایک اہم ادبی دستاویز کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ مصباح نوید نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

> "رسہ گیری" کے اصول احمد خان کھرل کی زبانی بیان کیے گئے ہیں۔ راوی کا بیکلچر بھی قواعد کے ساتھ اب بھی کسی نہ کسی صورت زندہ ہے۔"(۱۰)

ناول نگار نے **"گنجی بار"** میں اس خطے میں رائج چوری کی روایت اور اس سے وابستہ سماجی رویوں کو نہایت حقیقت پسندانہ اور فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مصنف نے واضح کیا ہے کہ اس دور کے بعض قبائلی اور دیہی معاشروں میں چوری کو مخصوص سماجی تناظر میں دیکھا جاتا تھا، تاہم اس کے ساتھ بعض غیر تحریری اصول اور حدود بھی وابستہ تھیں۔ اس روایت کے بیان سے ناول نگار کا مقصد کسی غیر قانونی عمل کی حمایت نہیں بلکہ اس عہد کے معاشرتی حالات، قبائلی اقدار اور دیہی زندگی کی حقیقی تصویر پیش کرنا ہے۔ ناول میں فرنگی حکومت رائے احمد خان پر چوروں کی سرپرستی اور پشت پناہی کا الزام عائد کر کے انہیں گرفتار کر لیتی ہے۔ یہ واقعہ برطانوی نوآبادیاتی نظام کی جانب سے مقامی بااثر شخصیات پر عدم اعتماد اور سخت نگرانی کی پالیسی کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ تاہم رائے احمد خان اپنی حاضر دماغی، دانش مندی اور غیر معمولی بہادری کے ذریعے ان الزامات کا مؤثر جواب دیتے ہیں اور اپنے خلاف لگائے گئے تمام الزامات کو بے بنیاد ثابت کر دیتے ہیں۔ اس واقعے کے ذریعے شاہد رضوان نے رائے احمد خان کے کردار کی دیانت، قائدانہ صلاحیت، ذہانت اور عزتِ نفس کو نمایاں کیا ہے، ساتھ ہی نوآبادیاتی اقتدار اور مقامی قیادت کے درمیان موجود کشمکش کو بھی مؤثر انداز میں اجاگر کیا ہے۔ یوں یہ واقعہ ناول کی فکری اور تاریخی اہمیت میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ احمد خان نے چوری کو ایک بہادری کا کھیل اور راوی کلچر کا حصہ کہا احمد خان نے فرنگی کو کہا:

> "ہمارے وسیب میں چوری، چوری نہیں ایک کھیل ہے۔ اس کے کچھ اصول میں بی صدیوں سے چلا آتا ہے۔ برکلے حیرت سے اس کچھ اصول میں بی صدیوں سے چلا آتا ہے۔ برکلے حیرت سے اسکے چہرے کی طرف دیکھ کر کہتا ہے: چوری بھی کوئی کھیل ہوتا ہے؟"(۱۱)

احمد بڑی جرات مندی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے:

> "ہاں اسی طرح کا کھیل ہے جس طرح جہاں گیری کے شوق کو کھیل سمجھا جاتا ہے۔ جس میں لاکھوں بے گناہ لوگوں کا قتل عام کیا جاتا ہے۔ لیکن چوری کے کھیل میں لوگوں کول نہیں کیا جاتا ہے۔۔ البتہ اس کھیل میں طاقت، ہوشیاری اور دلیری کامل داخل ہوتا ہے۔"(۱۲)

"گنجی بار" میں ہماری دینی ثقافت کے کئی رنگوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض باتیں جب اپنا مجموعی تاثر قائم کرتی ہیں تو ہمیں اک واضح تصویر نظر آتی ہے۔ اگرچہ بعض ناقدین نے اس ناول کو پریم چند کی روایت کا ناول کہا ہے یہاں مختلف قسم کے رنگ رسم ورواج دیکھنے کو ملتے ہیں تقریباہر گاؤں کی ثقافت میں اسی طرح کے ملتے جلتے رواج رسم ورواج ہوتے ہیں گاؤں کی ثقافت ہمیشہ سے ایک سادہ اور محنت کش رہی ہے اور یہاں پر رہنے والے تمام لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی ساتھ ہی بندھے رہتے ہیں ان تمام پہلو سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ گنجی بار میں کس طرح کی ثقافت کو

بیان کیا گیا ہے یہ وہ مشاہدے کی سہولت تھی جس نے "گنجی بار" میں حقیقت کا رنگ بھر دیا تھا اور شبیر حسین شاہ نے ہر منظر، ہر واقعہ اپنی اور آنکھوں سے دکھایا تھا اور یوں دیجی پنجاب کا ایک دلکش مرقع اس ناول میں پیش کیا گیا۔

حوالہ جات

1۔ ایم اے اشرف، تاریخ ساہیوال، پنجاب لوک سجاگ، دسمبر ۲۰۱۳، ص: ۲۲۲

2۔ شاہد رضوان، گنجی بار، ص: ۷۷

3۔ ایضاً، ص: ۹۸

4۔ ایضاً، ص: ۸

5۔ ایضاً، ص: ۲۰۴

6۔ ایضاً، ص: ۱۳۴

7۔ ایضاً، ص: ۱۹۹

8۔ ایضاً، ص: ۲۰۸

9۔ ایضاً، ص: ۱۵۳

10۔ مصباح نوید، شاہد رضوان، گنجی بار (مضمون)، مشمولہ، صبح بہار (ماہنامہ)، جنوری ۲۰۲۰ء، ص: ۲۷

11۔ شاہد رضوان، سچی بار، ص: ۸۶

12۔ ایضاً، ص: ۸۷

References in Roman Scripts:

1. M. A. Ashraf, Tarikh-e-Sahiwal, Punjab Lok Sujag, December 2013, p. 222.
2. Shahid Rizwan, Ganji Bar, p. 77.
3. Ibid., p. 98.
4. Ibid., p. 8.
5. Ibid., p. 204.
6. Ibid., p. 134.
7. Ibid., p. 199.
8. Ibid., p. 208.
9. Ibid., p. 153.
10. Misbah Naveed, "Shahid Rizwan: Ganji Bar" (Article), in Subh-e-Bahar (Monthly Magazine), January 2020, p. 27.
11. Shahid Rizwan, Sachi Bar, p. 86.
12. Ibid., p. 87.